باب (۱۰)

سنہ ۶ بعد بعثت سے سنہ ۱۰ بعد بعثت تک

ہجرت حبشہ کے بعد مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت کم لوگ باقی رہ گئے تھے جن میں چند خواتین بھی تھیں۔ دشمنانِ اسلام پر اس وقت ایک تو ہجرت کی جھنجھلاہٹ طاری تھی، اور اس پر مزید غصے کا اضافہ اِس بات سے ہوگیا تھا کہ مسلمانوں کو حبش میں اچھی پناہ گاہ مل گئی تھی اور مشرکین کا وفد وہاں سے ناکام و نامراد واپس آیا تھا۔ اس حالت میں وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازیاں کرنے سے بھی نہ چوکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش کی دست درازیاں

بخاری میں حضرت عروہؓ بن زبیر کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص سے پوچھا کہ آپ نے مشرکین کا سب سے زیادہ سخت برتاؤ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ایک روز آپؐ کعبہ کے صحن میں (اور ایک روایت میں ہے کہ حِجرِ کعبہ میں) نماز پڑھ رہے تھے۔ یکایک عُقبہ بن ابی مُعَیط آگے بڑھا اور اُس نے آپؐ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اُسے بل دینا شروع کر دیا تاکہ گلا گھونٹ کر آپؐ کو مار ڈالے۔ مگر عین وقت پر حضرت ابوبکرؓ پہنچ گئے اور انہوں نے دھکا دے کر اسے ہٹا دیا۔ حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جس وقت ابوبکر صدیقؓ اُس ظالم سے کشمکش کر رہے تھے، اس وقت اُن کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ؟ ”کیا تم ایک شخص کو صرف اس قصور میں مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟“۔ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں یہی واقعہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن نسائی اور ابن ابی حاتم نے اِسے حضرت عبداللہ کے بجائے اُن کے والد حضرت عمروؓ بن عاص سے کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس میں عُقبہ بن ابی مُعَیط کے بجائے یہ ذکر ہے کہ قریش کے لوگوں نے یہ حرکت کی تھی، اور حضرت ابوبکرؓ روتے ہوئے حضورؐ کو بچاتے جاتے تھے اور یہ الفاظ کہتے جاتے تھے۔

امام بخاریؒ نے یہ قصہ کئی جگہ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ کسی جگہ روایت حضرت عمروؓ بن العاص سے

ہے اور کسی جگہ حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن العاص سے[1]۔ ایک جگہ حضرت عمروؓ ابن العاص کی روایت یہ ہے کہ میں نے کبھی قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرتے نہیں دیکھا، سوائے ایک مرتبہ کے۔ وہ لوگ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے تھے اور حضورؐ مقام ابراہیم پر نماز پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں اُنہوں نے ایک دوسرے کو آپؐ کے خلاف بھڑکایا۔ آخر عُقبہ بن ابی مُعَیط اُٹھا اور اُس نے اپنی چادر آپؐ کے گلے میں ڈال کر کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر گئے اور لوگوں میں شور مچ گیا۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ دوڑتے ہوئے آئے اور آپؐ کا بازو پیچھے سے تھام لیا اور کہنے لگے "کیا تم ایک شخص کو صرف اس قصور میں مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟" پھر لوگ آپؐ کے پاس سے ہٹ گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر جب آپؐ قریش کے لوگوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہاری طرف ذبح کے ساتھ بھیجا گیا ہوں"۔ اس پر ابوجہل بولا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، تم تو کبھی نادان نہ تھے"۔ حضورؐ نے فرمایا اور تم انہی میں سے ہو۔ (ابو یعلیٰ، ابن حِبّان، طَبَرانی اور بیہقی نے بھی یہ قصہ حضرت عمروؓ بن العاص کی روایت سے نقل کیا ہے)۔

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ مشرکین نے حضورؐ کی داڑھی اور سر کے بال نوچ ڈالے اور اکثر بال اکھڑ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کی حمایت کے لیے اُٹھے اور وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ "کیا تم ایک شخص کو صرف اس قصور میں مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا "چھوڑ دو انہیں اے ابوبکرؓ، قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان کی طرف ذبح کے ساتھ ہی بھیجا گیا ہوں"۔ یہ سُن کر ساری بھیڑ آپؐ کے پاس سے چھٹ گئی۔

ابن ہشام، ابن جریر طَبَری اور بیہقی نے ابن اسحاق کی سند سے یہ واقعہ لکھا ہے کہ عُروَہ بن زبیر نے حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن عاص سے پوچھا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کا جو اظہار کرتے

[1] صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل روایت حضرت عمروؓ بن عاص کی ہے، اور حضرت عبد اللہؓ بن عمرو نے غالباً اپنے والد سے سنی ہوئی روایت بیان کی ہے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہؓ بن عمرو نے سنہ ۶۵ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۷۲ سال تھی۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو وہ اِس واقعہ کے عینی شاہد نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ ان کی پیدائش ہجرت سے سات سال پہلے، یعنی سنہ ۶ بعد بعثت میں ہوئی تھی۔

تھے اُس میں سے شدید ترین واقعہ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا میں ایک روز قریش کی مجلس میں گیا اور ان کے سردار حِجر میں جمع تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ اِس شخص کے معاملہ میں ہم نے جتنا صبر کیا ہے اُتنا صبر کرتے ہوئے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اِس نے ہماری عقلوں کو حماقت ٹھیرایا، ہمارے باپ دادا کی بُرائی کی، ہمارے دین کی عیب جوئی کی اور ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا۔ حقیقت میں ہم نے بہت بڑی بات پر صبر کیا ہے۔ اِس اثناء میں کہ وہ یہ باتیں کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمودار ہوئے۔ چلتے ہوئے آگے بڑھ کر آپ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا، پھر کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گذرے۔ اُنہوں نے آپ پر ایک چبھتا ہوا فقرہ کسا اور میں نے حضورؐ کے چہرے پر اس کا ناگوار اثر محسوس کیا۔ پھر دوسری مرتبہ آپ گذرے۔ اُنہوں نے پھر آوازہ چُست کیا اور میں نے محسوس کیا کہ آپ کو وہ ناگوار گذرا ہے۔ تیسری مرتبہ جب آپ گذرے اور انہوں نے یہی حرکت کی تو آپ رُک کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: "قریش کے لوگو سُنتے ہو؟ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس ذبح لے کر آیا ہوں"۔ عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی اِس بات پر سب لوگ سُن ہو کر رہ گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ پھر ان میں سے جو سب سے زیادہ بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا اُس نے آپ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ایسی باتیں کرنی شروع کر دیں جو وہ اپنے نزدیک بہتر سے بہتر پا سکتا تھا، یہاں تک کہ اس نے کہا "اے ابوالقاسمؐ، اچھی طرح گذر جاؤ، خدا کی قسم، تم تو کبھی نادان نہ تھے"۔ چنانچہ حضورؐ وہاں سے پلٹ گئے۔ دوسرے روز پھر یہ لوگ حِجر میں جمع ہوئے اور میں ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے آپس میں کہا "کچھ یاد ہے کہ یہ شخص تمہارے معاملے میں کہاں تک بڑھ گیا ہے؟ حتیٰ کہ اس نے وہ بات کھُل کر کہہ دی جو کل کہی تھی اور پھر تم نے اسے چھوڑ دیا"۔ اِتنے میں حضورؐ سامنے سے آتے نظر آئے۔ آپ کے آتے ہی سب یک بارگی آپ پر جھپٹے اور آپ کو گھیر کر کہنے لگے "تم ہی ہو جو یہ اور یہ کہتے ہو؟" آپ نے فرمایا "ہاں میں ہی ہوں جو یہ کہتا ہوں"۔ اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ اُن میں سے ایک شخص نے آپ کی چادر کو گریبان کے پاس سے پکڑ کر مُٹھی میں لے لیا۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی حمایت کے لیے اُٹھے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ "کیا تم ایک شخص کو صرف اس قصور میں مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے"؟ اس کے بعد لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ ہے شدید ترین معاملہ جو میں نے قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے دیکھا ہے۔ (مسندِ احمد میں بھی یہ واقعہ اسی طرح درج ہے)

حضرت حمزہؓ کا اسلام

اِسی زمانے میں ایک روز ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کے دائرے میں داخل کر دیا۔ مؤرخین کے درمیان اُن کے مسلمان ہونے کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ ابن حجرؒ نے اصابہ میں سنہ ۲ بعد بعثت تاریخ لکھی ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے پہلے سنہ ۲ لکھنے کے بعد پھر لکھا ہے کہ "کہا گیا ہے کہ وہ سنہ ۶ بعد بعثت میں حضورؐ کے دار الارقم میں داخل ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔ مگر ابن سعد، ابن الجوزیؒ اور العُتقیؒ نے اس کا زمانہ قطعیت کے ساتھ سنہ ۶ بعد بعثت ہی بتایا ہے۔ ابن القیّمؒ نے بھی زاد المعاد میں اس کا ذکر ہجرت حبشہ ثانیہ کے بعد کیا ہے اور یہی ابن اثیر کی تاریخ الکامل میں ہے۔ علاوہ بریں جو واقعہ حضرت حمزہؓ کے اسلام کا موجب بنا وہ بھی بجائے خود یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ سنہ ۲ بعد بعثت میں پیش نہیں آسکتا تھا، بلکہ قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کشمکش بہت زیادہ بڑھ جانے کے بعد ہی اُس کا پیش آنا ممکن تھا۔ سنہ ۲ بعد بعثت میں ابو جہل کی کیا مجال تھی کہ وہ آپ کو گالیاں دیتا تو درکنار، آپ سے آنکھ بھی ملا سکتا۔

قصہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقول ابن اسحاق صَفا کے پاس سے، اور بعض دوسرے اقوال کے مطابق حَجُون کے پاس سے گذر رہے تھے کہ ابو جہل نے آپؐ کو بے تحاشا گالیاں دیں اور آپؐ کی اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کی شان میں بہت بُرے الفاظ استعمال کیے۔ مگر آپ نے اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اِس کی خبر ابن اسحاق کے بیان کے مطابق عبداللہ بن جُدعان (بنی تیم کے ایک رئیس) کی آزاد کردہ لونڈی نے، اور بقول بعض حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صَفیّہؓ نے، اور بروایتِ ابن ابی حاتم دو عورتوں نے حضرت حمزہؓ کو پہنچا دی۔ وہ قریش کے نہایت بہادر، طاقت ور اور خود دار آدمی تھے۔ حضورؐ کے چچا بھی تھے، دودھ شریک بھائی بھی تھے اور ان کی والدہ بی بی آمنہ کی چچا زاد بہن بھی تھیں۔ عمر بھی اُن کی حضورؐ سے دو چار سال ہی زیادہ تھی۔ آپؐ سے اُن کو بے حد محبت تھی۔ شکار کے شوقین تھے۔ تیر کمان لیے ہوئے واپس آرہے تھے کہ یہ قصہ سُنا۔ غصہ میں بھرے ہوئے حرم پہنچے جہاں ابو جہل بیٹھا تھا اور جاتے ہی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر کہا "تو اُن کو گالیاں دیتا ہے، میں بھی اُنہی کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں، اگر تجھ میں ہمت ہے تو وہی گالیاں ذرا مجھے دے کر دیکھ۔" اس پر بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابو جہل کی حمایت کے لیے اُٹھے، مگر اس نے کہا، "ابو عُمارہ کو چھوڑ دو، میں نے واقعی اُن کے بھتیجے کو بُری طرح گالیاں دی تھیں۔" طَبَرانی اور ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت حمزہؓ نے فرمایا "میرا دین بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین ہے، مجھے اس سے روک لو اگر تم سچے ہو۔"

یونس بن بکیر صاحب المغازی نے ابن اسحاق کی سند سے اس قصے کی مزید تفصیل یہ دی ہے کہ حضرت حمزہؓ حمیت میں آ کر یہ کام کر تو گئے مگر جب اپنے گھر پہنچے تو دل میں کہا "تو قریش کا سردار ہے، دین سے پھرے ہوئے اس شخص کا پیرو بن گیا اور اپنے آبائی دین کو چھوڑ گیا۔ تیرے لیے موت اس کام سے بہتر ہے جو تو نے کیا ہے" پھر اللہ سے دعا کی کہ "خدایا، اگر یہ صحیح راستہ ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے، ورنہ میرے لیے اس سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا فرما دے"۔ اس رات وہ وسوسۂ شیطانی سے سخت بے چین رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پھر حضورؐ کے پاس پہنچے اور کہا "بھتیجے، میں ایک ایسے معاملہ میں پڑ گیا ہوں جس سے نکلنے کی کوئی صورت مجھے نظر نہیں آتی، اور مجھ جیسے آدمی کا کسی ایسی چیز پر قائم رہنا جس کے متعلق میں نہیں جانتا کہ وہ راستی ہے یا گمراہی، ایک شدید بات ہے"۔ حضورؐ نے یہ بات سن کر ان کو نصیحت کی، خدا کا خوف دلایا اور ایمان لانے پر بشارت دی۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کے دل میں ایمان ڈال دیا اور انہوں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں" (اس واقعہ کو بیہقی نے بھی بحوالہ یونس بن بکیر ابن اسحاق سے نقل کیا ہے)۔

حضرت عمرؓ کا اسلام

اس کے بعد دوسری اور زیادہ زبردست چوٹ قریش کو یہ لگی کہ ایک روز یکایک انہیں معلوم ہوا کہ عمرؓ بن خطاب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ وہ قریش کی مخالفتِ اسلام کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون تھے۔ ایمان لانے والوں پر ظلم و ستم کرنے میں پیش پیش تھے۔ قریش میں ان کو بڑی اہم حیثیت حاصل تھی۔ انسابِ عرب کے علم میں ان کی شہرت تھی۔ قریش کی طرف سے سفارت کے منصب پر بھی وہ بھیجے جاتے تھے۔ قبائل کے درمیان منافرت اور مفاخرت کی نوبت آتی تو ان کو حَکَم بنایا جاتا اور ان کا فیصلہ قبول کیا جاتا۔ قریش سے کوئی مفاخرت کرتا تو انہی کو جواب دینے کے لیے بھیجا جاتا۔ بہادر تھے۔ طاقتور تھے۔ شہسوار تھے۔ زبان آور تھے اور ان کی قوت کا لوہا مانا جاتا تھا۔ قریش کو یہ تصور بھی نہ تھا کہ ان جیسا آدمی بھی ایک روز اُن کے مقابلے میں اسلام کی علمبرداری کے لیے اٹھ کھڑا ہو گا۔ لیکن ایک تدریجی عمل اُن کے اندر ایسا ہو رہا تھا جو بالآخر انہیں اسلام کی طرف کھینچ لے گیا۔

اُن کا اوّلین تاثر

ان کا پہلا تاثر وہ تھا جسے مسند احمد اور طبرانی میں خود اُن کی روایت سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے کے لیے گھر سے نکلا، مگر آپ مجھ سے پہلے حرم میں داخل ہو چکے تھے۔ میں پہنچا تو آپ نماز میں سورۃ الحاقہ پڑھ رہے تھے۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور سننے لگا۔ قرآن کی شانِ کلام پر میں حیران ہو رہا تھا کہ میرے دل میں یکایک

یہ خیال آیا کہ یہ شخص ضرور شاعر ہے جیساکہ قریش کہتے ہیں۔ فوراً ہی حضورؐ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ "یہ ایک رسول کریم کا قول ہے، کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔" (آیات ۴۰۔۴۱)۔ میں نے اپنے دل میں کہا شاعر نہیں تو پھر کاہن ہے۔ اسی وقت زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ "اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔" تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ "یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔" (آیات ۴۲۔۴۳)۔ یہ سن کر اسلام میرے دل میں گہرا اُتر گیا[1]۔"

اُن پر ہجرتِ حبشہ کا اثر اُن کا دوسرا تاثر وہ تھا جسے ابن اسحاق کے حوالے سے ابن ہشام نے سیرت میں طبری نے تاریخ میں اور ابن اثیر نے اُسد الغابہ میں حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی قریبی رشتہ دار تھیں اور اپنے شوہر حضرت عامرؓ بن ربیعۃ العنزی کے ساتھ حبش کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرت کے لیے اپنا سامان باندھ رہی تھی اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمر آئے جبکہ وہ اپنے شرک پر قائم تھے اور ہم اُن کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اُٹھا چکے تھے، مگر اُس وقت وہ کھڑے ہو کر میری مشغولیت دیکھتے رہے۔ پھر کہنے لگے "عبد اللہ کی ماں، کیا بس اب روانگی ہے؟" میں نے کہا "ہاں، جب تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا اور ہم پر ظلم کیا، تو اب خدا کی زمین میں کہیں نکل جائیں گے جہاں خدا ہمارے لیے اس مصیبت سے بچنے کی کوئی راہ نکال دے"۔ اس پر عمر نے کہا۔ "اللہ تمہارے ساتھ ہو۔" اُس وقت میں نے اُن پر وہ رقّت دیکھی جو کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہمارے وطن چھوڑنے پر وہ غمگین ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد جب عامرؓ ہمارا مطلوبہ سامان لے کر واپس آئے تو میں نے کہا "عبد اللہ کے ابا، کاش تم اِس وقت عمر کو اور ہمارے حال پر اُن کی رقّت اور رنج کو دیکھتے۔ ابھی ابھی وہ یہاں سے ہو کر گئے ہیں۔" عامرؓ نے کہا کیا تمہیں اس کے مسلمان ہونے کی اُمید ہو گئی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا جس شخص کو تم نے ابھی دیکھا ہے وہ اُس وقت تک مسلمان نہ ہو گا جب تک خطّاب کا گدھا مسلمان[2] نہ ہو جائے۔

۱۔ اس واقعہ کو ابن سنجر نے بھی اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔

ان کے اسلام لانے کا قصہ اِس ذہنی کشمکش نے آخر کار ایک روز اُنہیں اس بات پر آمادہ کر دیا کہ جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں تاکہ یہ قضیہ ہی ختم ہو جائے جس نے ان کو اُلجھن میں ڈال رکھا ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ وہ تلوار لے کر اسی غرض سے نکلے۔ مگر راستے میں اُن کو حضرت نُعیمؓ بن عبداللہ النحام مل گئے جو خود انہی کے قبیلے بنی عدی کے اشراف میں سے تھے اور خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے[1]۔ انہوں نے پوچھا کدھر کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے "میں اِس صابی کو قتل کر دینا چاہتا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا ہے، ہم سب کو احمق ٹھیرایا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالا ہے، اور ہمارے معبودوں کی بُرائی کی ہے۔" نُعیم نے کہا "واللہ، اے عمر، تمہارے نفس نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمدؐ کے قتل کے بعد بنی عبدِ مَناف تمہیں زمین پر چلنے پھرنے کے لیے جیتا چھوڑ دیں گے؟ تم ذرا پہلے اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔" حضرت عمرؓ نے کہا "میرے کون سے گھر والے؟" نُعیم نے کہا "تمہارے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعیدؓ بن زید اور تمہاری بہن فاطمہؓ۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں اور اُنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی ہے۔" حضرت عمر پلٹ کر سیدھے بہن کے ہاں پہنچے۔ وہاں حضرت خَبّابؓ بن الارتؓ موجود تھے اور ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ وہ حضرت فاطمہؓ کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمر کی آمد جب محسوس ہوئی تو حضرت خبّابؓ گھر کے ایک حصّہ میں چھپ گئے اور حضرت فاطمہؓ نے صحیفے کو ران کے نیچے دبا لیا۔ لیکن حضرت عمر پہلے ہی دروازے میں سے حضرت خبابؓ کی قرأت سُن چکے تھے۔ انہوں نے اندر پہنچ کر کہا یہ کیسی گُنگُناہٹ تھی جو ابھی میں نے سُنی ہے؟ حضرت فاطمہؓ اور حضرت سعیدؓ نے کہا کہ تم نے کچھ نہیں سُنا۔ انہوں نے کہا نہیں، میں نے سُنا ہے۔ واللہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم دونوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی پیروی اختیار کر چکے ہو۔ پھر انہوں نے اپنے بہنوئی سعیدؓ کو مارا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر کو بچانے کے لیے اُٹھیں تو انہوں نے اُن کو بھی مارا جس سے ان کا سر پھٹ گیا۔

[1] اُسدُ الغابہ اور اِصابہ میں ہے کہ یہ اتنے بااثر اور مقبولِ عام شخص تھے کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی قوم نے کہا کہ "تم یہیں رہو اور جس دین کی چاہو پیروی کرو۔ خدا کی قسم تم سے کوئی تعرض نہ کر سکے گا۔ ہم تمہاری حمایت میں اپنی جانیں لڑا دیں گے۔" اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے قبیلہ بنی عدی کی بیواؤں اور یتیموں کی بڑی فیاضی سے مدد کیا کرتے تھے۔

تب دونوں میاں بیوی نے کہا کہ ہاں، ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب تمہارا جو جی چاہے کر لو۔ حضرت عمرؓ نے جب بہن کا خون بہتے دیکھا تو اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے اور اپنی جہالت سے رجوع کیا اور بہن سے کہا وہ صحیفہ مجھے دکھاؤ جسے ابھی ابھی تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ دیکھوں تو وہ کیا چیز ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں۔ حضرت عمر پڑھے لکھے آدمی تھے اس لیے اسے پڑھنا چاہتے تھے۔ ان کی بہن نے کہا ہمیں اندیشہ ہے کہ تم اسے کہیں ضائع نہ کر دو۔ انہوں نے کہا اس کا اندیشہ نہ کرو اور اپنے معبودوں کی قسم کھائی کہ پڑھ کر اسے واپس کر دیں گے۔ اب ان کی بہن کو کچھ امید بندھی کہ یہ مسلمان ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی، تم اپنے شرک کی وجہ سے نجس ہو اور اس صحیفے کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ اس پر حضرت عمر نے اُٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ جب انہوں نے سورۂ طٰہٰ کا ابتدائی حصہ پڑھا تو کہنے لگے کیسا عمدہ اور بلند پایہ کلام ہے یہ۔ حضرت خبابؓ بن الارت ان کی یہ بات سنتے ہی باہر نکل آئے اور کہا اے عمر، مجھے امید ہے کہ اللہ نے تم کو اپنے نبی کی دعا کا مصداق بننے کے لیے چن لیا ہے۔ میں نے کل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خدایا ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطابؓ کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرما۔ پس اے عمر اللہ کی طرف آؤ، اللہ کی طرف آؤ۔ حضرت عمر نے کہا مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ حضرت خبابؓ نے کہا وہ صفا کے قریب ایک مکان (دارِ ارقم) میں اپنے چند اصحاب کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر تلوار کمر سے باندھے ہوئے حضورؐ اور آپ کے اصحاب کی قیام گاہ پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضورؐ کے اصحاب میں سے ایک صاحب نے اُٹھ کر دروازے کی جھری میں سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار باندھے کھڑے ہیں۔ وہ خوف زدہ ہو کر پلٹے اور حضورؐ کو اس کی خبر دی۔ حضرت حمزہؓ بولے آنے دو، اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو ہم بھی نیک معاملہ کریں گے، ورنہ اسی کی تلوار سے اسے ختم کر دیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا اُسے آنے دو۔ حکم کے مطابق عمل کیا گیا اور حضرت عمرؓ کو اندر آنے کا اذن دے دیا گیا۔ ان کے آتے ہی حضورؐ اُن کی طرف آگے بڑھے، ان کی چادر کو مٹھی میں دبا کر شدت سے کھینچا اور فرمایا "ابن خطاب تمہیں کیا چیز یہاں لائی ہے؟ واللہ، میں سمجھتا ہوں کہ تم باز نہ آؤ گے جب تک اللہ تم پر کوئی سخت آفت نازل نہ کر دے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ، میں اللہ اور اس کے رسول پر اور رسول کی لائی ہوئی تعلیم پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔" اس پر حضورؐ نے زور سے اللہ اکبر فرمایا جس سے مکان کے سب لوگ جان گئے کہ عمرؓ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس سے

مسلمانوں کی بڑی ہمت بندھی کہ حضرت حمزہؓ کے بعد حضرت عمرؓ بھی مسلمان ہوگئے اور اب یہ اہل اسلام کے لیے تقویت کے موجب بنیں گے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے متعلق یہ اہل مدینہ کے راویوں کا بیان ہے۔ حافظ ابویعلیٰ نے اسے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے۔ اور بزّار نے خود حضرت عمرؓ سے۔

حضرت عمرؓ کا اپنا بیان

بزّار، طبرانی، بیہقی، ابن عساکر، ابونعیم اور دارقطنی وغیرہ نے حضرات ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ اور اسلم مولیٰ عمر وغیرہم سے خود حضرت عمرؓ کا اپنا بیان بھی اپنے اسلام قبول کرنے کے متعلق نقل کیا ہے جو تفصیلات میں تھوڑے تھوڑے اختلافات کے ساتھ ابن اسحاق کی مذکورہ بالا روایت سے بڑی حد تک ملتا جلتا ہے۔ البتہ ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت عمرؓ کے بیان کی جو روایت حضرت عبداللہؓ بن عباس سے نقل کی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ جییں یا مریں"؟ آپؐ نے فرمایا "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ حق پر ہو، خواہ جیو یا مرو"۔ میں نے عرض کیا "پھر یا رسول اللہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر تو ہم اپنا دین کیوں چھپائیں"؟ حضورؐ نے فرمایا "اے عمرؓ، ہم قلیل التعداد ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم کن حالات سے گذر رہے ہیں"۔ میں نے عرض کیا "اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، میں کوئی ایسی مجلس نہ چھوڑوں گا جہاں میں پہلے کفر کے ساتھ بیٹھا تھا اور اب اسلام کے ساتھ نہ بیٹھوں"۔ پھر ہم لوگ دو صفوں میں نکلے۔ ایک میں میں تھا اور دوسرے میں حمزہؓ۔ یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوگئے۔ قریش نے جب ہم کو دیکھا تو اُن کو اس قدر شدید دھچکا لگا کہ پہلے کبھی نہ لگا تھا۔ اِس واقعہ کو ابن ماجہ، حاکم اور ابن سعد نے ذرا مختلف طریقہ سے نقل کیا ہے۔ ابن ہشام نے حضرت عمرؓ کا یہ بیان بھی روایت کیا ہے کہ جس روز میں نے اسلام قبول کیا اسی رات مجھے خیال آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن ہو اس کو مجھے اپنے اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔ چنانچہ میں سیدھا ابوجہل کے ہاں گیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ نکلا تو مجھے دیکھ کر کہا خوش آمدید، میرے بھانجے، کیسے آئے۔ میں نے کہا میں یہ خبر دینے آیا ہوں کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ اُس نے کہا "بُرا ہو تیرا اور اُس چیز کا جسے تو لے کر آیا ہے"۔ اور دروازہ بند کر لیا۔

ابن عمرؓ کی روایت

ابن اسحاق نے نافع کے حوالہ سے حضرت عبداللہؓ بن عمر کی روایت بیان کی ہے کہ اسلام لانے

کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا قریش میں کون آدمی سب سے زیادہ خبریں پھیلانے والا ہے؟ بتایا گیا کہ جَمِیل بن مَعْمَر بن حَبِیب الجُمَحِی۔ حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے اور میں بھی ان کے پیچھے چلا۔ اُس وقت میں اس عمر کا لڑکا تھا کہ جو کچھ دیکھتا اُسے سمجھتا تھا۔ؔ حضرت عمرؓ نے جاکر اس سے کہا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میں نے دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قبول کرلیا ہے۔ پھر بجز اکہ اُس نے پلٹ کر کوئی بات نہ کی اور اپنی چادر گھسیٹتا ہوا نکل کھڑا ہوا۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے چلے اور میں ان کے پیچھے۔ جب وہ مسجد حرام کے دروازے پر پہنچا تو بلند آواز سے چیخا "قریش کے لوگو!" سرداران قریش اُس وقت کعبہ کے گرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے۔ اس کی آواز سُن کر سب اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس نے کہا "سُنو، عمر دین سے پھر گیا"۔ حضرت عمرؓ نے پیچھے سے پکار کر کہا، "جھوٹ کہتا ہے، میں مسلمان ہوا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں"۔ اس پر لوگ اُنہیں مارنے لگے اور وہ بھی لوگوں کو مارنے لگے یہاں تک کہ سورج سر پہ آگیا۔ حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ لوگ اُن کے گرد کھڑے تھے اور حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے کہ تمہارا جو جی چاہے کرلو۔ اتنے میں قریش کا ایک شیخ آگے بڑھا اور اُس نے مجمع سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا عمرؓ دین سے پھر گیا ہے۔ اس نے کہا "تو پھر کیا ہوا؟ ایک آدمی نے اپنے لیے جو کچھ چاہا اختیار کرلیا۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی عَدِی اِس طرح اپنے آدمی کو تمہارے حوالے کردیں گے؟ ہٹ جاؤ اس کے پاس سے"۔ اس پر لوگ اس طرح ہٹ گئے جیسے کسی پر سے کپڑا کھینچ لیا جاتے۔ میں نے بعد میں اپنے والد سے پوچھا وہ شخص کون تھا۔ انہوں نے فرمایا "بیٹے، وہ عاص بن وائل سَہمی تھا" (یعنی عمروؓ بن العاص کا باپ)۔ طَبَرانی اور بَزّار نے ابن عمرؓ کی اِس روایت کو مختصراً نقل کیا ہے۔

بخاری میں حضرت عبداللہؓ بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے گھر میں خوف زدہ بیٹھے ہوتے تھے تو عاص بن وائل جو جاہلیت کے زمانہ میں ہمارا حلیف تھا، ان کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کیوں اس طرح بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا تمہاری قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے، کیونکہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ اس نے کہا کوئی

لہ ابن سعد نے حضرت عبداللہؓ بن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں اس وقت ۶ برس کا تھا اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ وہ اس وقت ۵ برس کے تھے۔

تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا جبکہ مجھ سے تمہیں امان مل چکی ہے۔ پھر عاص باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ وادی میں آدمیوں کا سیلاب اُمڈا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم ابن خطاب کی خبر لینا چاہتے ہیں جو دین سے پھر گیا ہے۔ اس نے کہا کہ عمرؓ پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اس پر سب واپس چلے گئے۔

اسلامِ عمرؓ کی تاریخ

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ سنہ بعد بعثت کا ہے جیسا کہ امام نَوَوِی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اور مُلّا علی قاری نے اربعینِ نَوَوِی کی شرح میں لکھا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضرت حمزہؓ کے تین دن بعد ایمان لائے اور بعض تین ماہ بعد کہتے ہیں۔ مگر ابو نُعیم اصفہانی نے حضرت عبداللہؓ بن عباس کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے خود حضرت عمرؓ سے ان کے اسلام لانے کا واقعہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے تین دن بعد نکلا تھا۔ ابن سعد نے اسے اسلم مولیٰ عمرؓ کے حوالہ سے ذی الحجہ سنہ بعد بعثت کا واقعہ لکھا ہے۔ لیکن غالباً یہ اس سے اچھی خاصی مدت پہلے کا واقعہ ہے۔ سُہَیلی نے لکھا ہے کہ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۴۰ سے کچھ زیادہ آدمی تھے۔ واحدی نے اس پر دس عورتوں کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے مناقب عمرؓ میں ابن ابی خَیثَمہ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۳۹ آدمی تھے اور میں نے شامل ہو کر ان کو ۴۰ کر دیا۔ ممکن ہے کہ اُس وقت حضرت عمرؓ کو اِتنے ہی آدمیوں کا علم ہو، کیونکہ بہت سے مسلمان اپنا ایمان چھپائے ہوئے بھی تھے۔

شِعبِ ابی طالب کی محصوری

اِس زمانے میں قریش کا غصہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف روز بروز زیادہ بھڑکتا چلا جا رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی ساری کوششوں کے باوجود مکے میں بھی اسلام اندر ہی اندر پھیلتا جا رہا ہے اور بیرونی قبائل کے لوگ بھی پے در پے مسلمان ہو رہے ہیں۔ پھر یہ معاملہ صرف عرب تک ہی محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ حبش تک اس کی جڑیں پھیل گئی ہیں، نجاشی کھلم کھلا مسلمانوں کا حامی بن گیا ہے، اور وہاں سے اسلام قبول کرنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد آنے لگے ہیں۔ اس پر مزید اُن کی آتشِ غضب کو یہ چیز بھڑکا رہی تھی کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بہادر اور بااثر سرداروں کی شمولیت سے اُن مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں جو ہجرتِ حبشہ کے بعد مکہ میں رہ گئے تھے —— ابن ابی شَیبہ اور طَبرانی نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "واللہ، ہم بیت اللہ کے گرد نماز نہ پڑھ سکتے تھے جب تک کہ عمرؓ اسلام نہ لے آئے"۔ بخاری میں انہی حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول بھی

منقول ہے کہ ما زِلنا اَعِزَّۃ منذ اسلم عمر۔ "عمرؓ کے مسلمان ہونے کے بعد ہم برابر زور آور ہی رہے۔"

ان اسباب نے مل جل کر آخر کار قریش کی جاہلیت کو اس قدر برافروختہ کر دیا کہ انہوں نے بالاتفاق ایک دستاویز لکھی جس میں اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کیا گیا تھا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی المطلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُن کے حوالے نہ کر دیں اُس وقت تک اُن سے میل جول، شادی بیاہ، بول چال اور خرید و فروخت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا۔ قریش کے تمام خاندانوں کے سربراہوں نے اس دستاویز کی توثیق کی اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ ابن سعد اور ابن البرّ کا بیان ہے کہ یہ یکم محرم سنہ ۷ بعد بعثت کا واقعہ ہے۔

موسیٰ بن عُقبہ نے امام زُہری کے حوالہ سے اپنی مَغازی میں لکھا ہے[1] کہ ابو طالب کو جب معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے ہیں تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو بلایا اور اُن سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساتھ لے کر سب کے سب شِعبِ ابی طالب[2] میں جمع ہو جائیں اور آخر وقت تک آپ کی حفاظت کریں۔ اس تجویز کو دونوں خاندانوں نے قبول کیا اور اُن کے کافر اور مسلمان سب شعبِ ابی طالب میں سمٹ گئے۔ اس کے بعد قریش کے باقی خاندانوں نے آپس میں وہ معاہدہ کیا جس کا ذکر اوپر گزرا ہے[3]۔

اس کے برعکس ابن سعد نے واقدی کا اور ابن ہشام نے ابن اسحاق کا بیان نقل کیا ہے کہ پہلے قریش

---

[1] ابن عبد البرّ نے سیرت میں اس روایت کو موسیٰ بن عقبہ کے علاوہ محمد بن عبد الرحمٰن ابو الاسود، اور یعقوب بن حمید بن کاسب کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے۔

[2] شِعب کے معنی گھاٹی کے ہیں۔ شعبِ ابی طالب کوہ ابو قُبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک تھی جس میں ابو طالب رہتے تھے۔ اب اس کا نام شِعبِ علی ہے اور اسے سوق اللّیل بھی کہا جاتا ہے۔

[3] ابن عبد البرّ نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالہ سے امام زُہری کی یہ عجیب روایت نقل کی ہے کہ شِعبِ ابی طالب کی محصوری کے بعد حضورؐ نے مکّہ کے مظلوم مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ بات معلوم و معروف روایات کے خلاف ہے۔

کے لوگوں نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کے مقاطعہ کا عہد نامہ لکھا، اور اس کے بعد یہ دونوں خاندان ابوطالب کی ہدایت پر شعب ابی طالب میں محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ یہی بات ابن عبدالبر نے بھی سیرت میں لکھی ہے۔ ابولہب اس موقع پر اپنے خاندان سے الگ رہا اور اس نے مقاطعہ کرنے والوں کا ساتھ دیا۔ بنی عبد مناف کے باقی دو خاندان، بنی عبد شمس اور بنی نوفل بھی اپنے ہم جد رشتہ داروں کو چھوڑ کر مقاطعہ کرنے والے دشمنوں کے ساتھ رہے۔

ابن اسحاق کے حوالہ سے ابن ہشام نے محصوری کا زمانہ دو یا تین سال لکھا ہے۔ مگر ابن سعد اور موسیٰ بن عُقبہ نے تعیّن کے ساتھ اس کی مدت تین سال بیان کی ہے۔ اس پورے زمانے میں قریش کا محاصرہ بڑی سختی کے ساتھ جاری رہا۔ محصورین کی ایسی ناکہ بندی کر دی گئی تھی کہ ان کو کھانے پینے کی چیزیں پہنچنے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ موسیٰ بن عُقبہ کا بیان ہے کہ باہر کے تاجر اگر مکے آتے تو قریش کے لوگ جلدی کر کے ان کا سب سامان خرید لیتے تاکہ محصورین ان سے کوئی چیز نہ خرید سکیں۔ ابولہب کے متعلق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ محصورین کو کوئی چیز خریدتے دیکھتا تو پکار کر تاجر سے کہتا کہ ان سے اتنی زیادہ قیمت مانگو کہ یہ خرید نہ سکیں، پھر میں وہی چیز تم سے خرید لوں گا اور تمہارا نقصان نہ ہونے دوں گا۔ ابن سعد اور بیہقی کی روایت ہے کہ محصورین کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ان کے بھوکے بچوں کے رونے بلکنے کی آوازیں شعب ابی طالب کے باہر سنی جاتی تھیں۔ یہ لوگ صرف حج کے زمانہ میں نکلتے تھے اور دوسرا حج آنے تک اپنے محلے میں بند رہتے تھے۔

اس زمانے میں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام اور نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کے بھتیجے (یعنی اس کے ماں جائے بھائی کے بیٹے) ہشام بن عَمرو العامری، چوری چھپے صلۂ رحمی کا حق ادا کرتے رہے۔ ابن اسحاق کے حوالہ سے ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے حکیم بن حزام کو اپنی پھوپھی صاحبہ کے لیے غلّہ لے جاتے ہوئے پکڑ لیا اور کہا "تم بنی ہاشم کے لیے خوراک کا سامان لے جا رہے ہو؟ اچھا، میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا جب تک مکہ بھر میں تمہیں رسوا نہ کر دوں"۔ اتنے میں ابوالبختری بن ہشام، جو بنی اسد بن عبدالعزّیٰ بن قُصیّ میں سے تھا اور حضرت خدیجہؓ کا قریبی رشتہ دار ہوتا تھا، وہاں پہنچ گیا اور اس نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ ابوجہل نے کہا یہ بنی ہاشم کے لیے غلّہ لے جا رہا ہے۔ وہ بولا چھوڑ دے اس کو۔ یہ اس کی پھوپھی کا غلّہ ہے جو وہ ان کے پاس لے جا رہا ہے۔ کیا تو ان کی اپنی چیز ان کے پاس نہیں لے جانے دے گا؟ ابوجہل نے انکار کیا۔ اس پر دونوں میں لڑائی ہو گئی اور ابوالبختری نے اسے بری طرح رگیدا حتیٰ کہ اونٹ کے جبڑے

کی ہڈی اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اس سارے معاملے کو حضرت حمزہؓ دیکھ رہے تھے اس لیے دونوں کافروں نے شرما کر اپنا جھگڑا ختم کر دیا تاکہ بنی ہاشم اِس پر خوش نہ ہوں۔ ہشام بن عمرو العامری کے متعلق بھی ابن اسحاق کی روایت ابن ہشام نے نقل کی ہے کہ وہ بھی خفیہ طریقہ سے بنی ہاشم اور بنی المُطّلِب کے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ اونٹ پر غلّہ لاد کر رات کے وقت شعب ابی طالب کے سرے پر لاتا اور اس کو شعب کے اندر دھکیل دیتا جسے محصورین پکڑ لیتے اور غلّہ اتار کر اونٹ کو واپس چھوڑ دیتے۔ قریش والوں نے اس کو بھی دھمکیاں دیں، مگر ابوسفیان نے کہا چھوڑو اس کو۔ ایک آدمی ہے جو رشتہ داروں سے صلہ رحمی کر رہا ہے۔

شَقُّ القمر کا واقعہ یہ مقاطعہ پوری شدومد کے ساتھ جاری تھا، مگر جیسا کہ ہم دعوتِ عام کے باب میں بیان کر چکے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس کے باوجود علی الاعلان اسلام کی تبلیغ سے ایک دن بھی باز نہ رہے، اور کسی میں یہ جراُت نہ تھی کہ آپ کو اس سے روک دیتا۔ مقاطعے پر ابھی دو ہی برس گزرے تھے کہ شَقُّ القمر کا عظیم الشان واقعہ پیش آگیا، جسے کفارِ مکہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ محدّثین اور مفسرین کا اِس پر اتفاق ہے کہ یہ ۵ قبلِ ہجرت (یعنی ۸ بعدِ بعثت) کا واقعہ ہے اور یہ منیٰ کے مقام پر پیش آیا تھا۔ خود قرآن مجید میں اس کا ذکر اِس طرح کیا گیا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ — قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ (القمر آیات ۱-۲) — (مگر اِن لوگوں کا حال یہ ہے کہ) یہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

بعض عقلیت پرستوں نے چاند جیسے عظیم کُرے کے پھٹنے کو بعید از امکان سمجھ کر اِنْشَقَّ الْقَمَرُ کا مطلب یہ لے لیا ہے کہ "چاند پھٹ جائے گا"۔ حالانکہ اگر اس کا ترجمہ "پھٹ گیا" کے بجائے "پھٹ جائے گا" کیا جائے تو دونوں آیتوں کا مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ پہلی آیت میں چاند کے پھٹنے کو قیامت کی گھڑی قریب آنے کی علامت بتایا گیا ہے۔ اگر اسے آئندہ ہونے والا واقعہ قرار دیا جائے تو چاند کے پھٹنے کو قیامت کے قریب ہونے کی علامت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ پھر یہ معنی لینے کی صورت میں آگے کی آیت تو بالکل ہی بے معنی ہو جاتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اسے جادو کا کرشمہ قرار دے دیتے ہیں۔ یہ سیاق و سباق تو اِنْشَقَّ الْقَمَرُ کے یہ معنی قطعی طور پر

متعیّن کر دیتا ہے کہ اُس وقت چاند فی الواقع پھٹ گیا تھا۔ اِسی معنی کی تصدیق حدیث کی معتبر روایات کرتی ہیں۔

یہ روایات بخاری، مسلم، ترمذی، احمد، ابو عوانہ، ابو داؤد طیالسی، عبد الرزاق، ابن جریر، بیہقی، طبرانی، ابن مردویہ اور ابو نعیم اصفہانی نے بکثرت سندوں کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہؓ بن مسعود، حضرت عبد اللہؓ بن عباس، حضرت عبد اللہؓ بن عمر، حضرت حُذَیفہؓ بن الیمان، حضرت اَنسؓ بن مالک اور حضرت جُبیرؓ بن مُطعِم سے نقل کی ہیں۔ اِن میں سے تین بزرگ، یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ اور حضرت جُبیر بن مُطعِم تصریح کرتے ہیں کہ وہ اِس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ اور دو بزرگ ایسے ہیں جو اس کے عینی شاہد تو نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ یہ اُن میں سے ایک (یعنی عبد اللہؓ بن عباس) کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے، اور دوسرے (یعنی انسؓ بن مالک) اُس وقت بچے تھے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں حضرات صحابی ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ انہوں نے ایسے سن رسیدہ صحابیوں سے سن کر ہی اسے روایت کیا ہوگا جو اس واقعہ کا براہِ راست علم رکھتے تھے۔

تمام روایات کو جمع کرنے سے اِس کی جو تفصیلات معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ ہجرت سے تقریباً ۵ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ قمری مہینے کی چودھویں شب تھی۔ چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ یکایک وہ پھٹا اور اس کا ایک ٹکڑا سامنے کی پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آیا۔ یہ کیفیت بس ایک ہی لحظہ رہی اور پھر دونوں ٹکڑے باہم جُڑ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا دیکھو اور گواہ رہو۔ کفار نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لیے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا۔ دوسرے لوگ بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر جادو کر سکتے تھے، تمام لوگوں پر تو نہیں کر سکتے تھے۔ باہر کے لوگوں کو آنے دو۔ اُن سے پوچھیں گے کہ یہ واقعہ اُنہوں نے بھی دیکھا ہے یا نہیں۔ باہر سے جب کچھ لوگ آئے تو انہوں نے شہادت دی کہ وہ بھی یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔

بعض روایات جو حضرت انسؓ سے مروی ہیں ان کی بنا پر یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ شق القمر کا واقعہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ پیش آیا تھا۔ لیکن اوّل تو صحابہ میں سے کسی اور نے یہ بات بیان نہیں کی ہے۔ دوسرے خود حضرت انس کی بھی بعض روایات میں مَرَّتَین (دو مرتبہ) کے الفاظ ہیں اور بعض میں فِرْقَتَین اور شِقَّتَین (دو ٹکڑے) کے الفاظ۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید صرف ایک انشقاق کا ذکر کرتا ہے۔ اس بنا پر صحیح بات یہی ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا تھا۔ رہے وہ قصے جو عوام میں مشہور ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا، اور یہ کہ چاند کا ایک ٹکڑا حضورؐ کے گریبان میں داخل ہو کر آپ کی آستین سے نکل گیا، سب بالکل ہی بے اصل ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی حقیقی نوعیت کیا تھی؟ کیا یہ ایک معجزہ تھا جو کفارِ مکہ کے مطالبے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کے ثبوت میں دکھایا تھا؟ یا یہ ایک حادثہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چاند میں پیش آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی طرف توجہ صرف اس غرض کے لیے دلائی کہ یہ امکانِ قیامت اور قربِ قیامت کی ایک نشانی ہے؟ علمائے اسلام کا ایک بڑا گروہ اسے حضورؐ کے معجزات میں شمار کرتا ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ کفار کے مطالبہ پر یہ معجزہ دکھایا گیا تھا۔ لیکن اس رائے کا مدار صرف بعض اُن روایات پر ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ اُن کے سوا کسی صحابی نے بھی یہ بات بیان نہیں کی ہے۔ فتح الباری میں ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ "یہ قصہ جتنے طریقوں سے منقول ہوا ہے اُن میں سے کسی میں بھی حضرت انسؓ کی حدیث کے سوا یہ مضمون میری نگاہ سے نہیں گزرا کہ شقّ القمر کا واقعہ مشرکین کے مطالبہ پر ہوا تھا" (باب انشقاق القمر)۔ ایک روایت ابو نُعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہؓ بن عباس سے بھی اسی مضمون کی نقل کی ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے، اور قوی سندوں سے جتنی روایات کتبِ حدیث میں ابن عباسؓ سے منقول ہوئی ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔

علاوہ بریں حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباس، دونوں اس واقعہ کے ہم عصر نہیں ہیں، بخلاف اس کے جو صحابہ اُس زمانے میں موجود تھے، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت حُذَیفہؓ، حضرت جُبَیرؓ بن مُطعِم، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ مشرکینِ مکہ نے حضورؐ کی صداقت کے ثبوت میں کسی نشانی کا مطالبہ کیا تھا اور اس پر شق القمر کا یہ معجزہ ان کو دکھایا گیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن مجید خود بھی اس واقعہ کو رسالتِ محمدی کی نہیں بلکہ قربِ قیامت کی نشانی کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ البتہ یہ اس لحاظ سے حضورؐ کی صداقت کا ایک نمایاں ثبوت ضرور تھا کہ آپؐ نے قیامت کے آنے کی جو خبریں لوگوں کو دی تھیں، یہ واقعہ ان کی تصدیق کر رہا تھا۔

معترضین اس پر دو طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ اول تو ان کے نزدیک ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے کہ چاند جیسے عظیم کُرے کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہو جائیں اور سینکڑوں میل کے فاصلے تک ایک دوسرے سے دُور جانے کے بعد پھر باہم جُڑ جائیں۔ دوسرے، وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ واقعہ دنیا بھر میں

مشہور ہو جاتا، تاریخوں میں اس کا ذکر آتا، اور علم نجوم کی کتابوں میں اسے بیان کیا جاتا۔ لیکن درحقیقت یہ دونوں اعتراضات بے وزن ہیں۔ جہاں تک اس کے امکان کی بحث ہے۔ قدیم زمانے میں تو شاید وہ چل بھی سکتی تھی، لیکن موجودہ دور میں سیاروں کی ساخت کے متعلق انسان کو جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی بنا پر یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک کرہ اپنے اندر کی آتش فشانی کے باعث پھٹ جائے اور اس زبردست انفجار سے اس کے دو ٹکڑے دور تک چلے جائیں، اور پھر اپنے مرکز کی مقناطیسی قوت کے سبب سے وہ ایک دوسرے کے سامنے آملیں۔ رہا دوسرا اعتراض تو وہ اس لیے بے وزن ہے کہ یہ واقعہ اچانک بس ایک لحظہ کے لیے پیش آیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ اس خاص لمحے میں دنیا بھر کی نگاہیں چاند کی طرف لگی ہوئی ہوں۔ اس سے کوئی دھماکا نہیں ہوا تھا کہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوتی۔ پہلے سے کوئی اطلاع اس کی نہ تھی کہ لوگ اس کے منتظر ہو کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوتے۔ اور تمام روئے زمین پر اسے دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا، بلکہ عرب اور اس کے مشرقی جانب کے ممالک ہی میں اس وقت چاند نکلا ہوا تھا۔ تاریخ نگاری کا ذوق اور فن بھی اس وقت تک اتنا ترقی یافتہ نہ تھا کہ مشرقی ممالک میں جن لوگوں نے اسے دیکھا ہوتا وہ اسے ثبت کر لیتے اور کسی مورخ کے پاس یہ شہادتیں جمع ہوتیں اور وہ تاریخ کی کسی کتاب میں ان کو درج کر لیتا۔ تاہم مالابار کی تاریخوں میں یہ ذکر آیا ہے کہ اس رات وہاں کے ایک راجہ نے یہ منظر دیکھا تھا۔ رہیں علم نجوم کی کتابیں اور جنتریاں، تو ان میں اس کا ذکر آنا صرف اس حالت میں ضروری تھا جبکہ چاند کی رفتار، اور اس کی گردش کے راستے، اور اس کے طلوع و غروب کے اوقات میں اس سے کوئی فرق واقع ہوا ہوتا۔ یہ صورت چونکہ پیش نہیں آئی اس لیے قدیم زمانے کے اہل تنجیم کی توجہ اس کی طرف منعطف نہیں ہوئی۔ اس زمانے میں رصدگاہیں اس حد تک ترقی یافتہ نہیں تھیں کہ افلاک میں پیش آنے والے ہر واقعہ کا نوٹس لیتیں اور اس کو ریکارڈ پر محفوظ کر لیتیں۔

(باقی)